

تَقْرِيرُ الْوَلَدِ

سُورَةُ السَّجْدَةِ

QuranUrdu.com

۳۲

سید ابوالاعلم مودودی

فہرست

5	نام:
5	زمانہ نزول:
5	موضوع اور مباحث:
8	دکو ۱۶
11	سورۃ السجدة حاشیۃ نمبر.....
13.....	سورۃ السجدة حاشیۃ نمبر.....
13.....	سورۃ السجدة حاشیۃ نمبر.....
13.....	سورۃ السجدة حاشیۃ نمبر.....
14.....	سورۃ السجدة حاشیۃ نمبر.....
17.....	سورۃ السجدة حاشیۃ نمبر.....
17.....	سورۃ السجدة حاشیۃ نمبر.....
17.....	سورۃ السجدة حاشیۃ نمبر.....
19.....	سورۃ السجدة حاشیۃ نمبر.....
19.....	سورۃ السجدة حاشیۃ نمبر.....
19.....	سورۃ السجدة حاشیۃ نمبر.....
20.....	سورۃ السجدة حاشیۃ نمبر.....

20.....	سورۃ السجدة حاشیۃ نمبر
21.....	سورۃ السجدة حاشیۃ نمبر
21.....	سورۃ السجدة حاشیۃ نمبر
22.....	سورۃ السجدة حاشیۃ نمبر
23.....	سورۃ السجدة حاشیۃ نمبر
23.....	سورۃ السجدة حاشیۃ نمبر
23.....	سورۃ السجدة حاشیۃ نمبر
25.....	سورۃ السجدة حاشیۃ نمبر
27.....	رکوٰت ۲۶
30.....	سورۃ السجدة حاشیۃ نمبر
30.....	سورۃ السجدة حاشیۃ نمبر
31.....	سورۃ السجدة حاشیۃ نمبر
31.....	سورۃ السجدة حاشیۃ نمبر
31.....	سورۃ السجدة حاشیۃ نمبر
32.....	سورۃ السجدة حاشیۃ نمبر
32.....	سورۃ السجدة حاشیۃ نمبر
32.....	سورۃ السجدة حاشیۃ نمبر
33.....	سورۃ السجدة حاشیۃ نمبر
33.....	سورۃ السجدة حاشیۃ نمبر

33.....	سورة السجدة حاشیہ نمبر
33.....	سورة السجدة حاشیہ نمبر
34.....	سورة السجدة حاشیہ نمبر
36.....	رکوٰت ۳۶
38.....	سورة السجدة حاشیہ نمبر
38.....	سورة السجدة حاشیہ نمبر
39.....	سورة السجدة حاشیہ نمبر
39.....	سورة السجدة حاشیہ نمبر
40.....	سورة السجدة حاشیہ نمبر
40.....	سورة السجدة حاشیہ نمبر
40.....	سورة السجدة حاشیہ نمبر
41.....	سورة السجدة حاشیہ نمبر

نام:

آیت ۱۵ میں سجدہ کا جو مضمون آیا ہے اسی کو سورہ کا عنوان قرار دیا گیا ہے۔

زمانہ نزول:

انداز بیاں سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس کا زمانہ نزول مکہ کا دورِ متواتر ہے، اور اس کا بھی ابتدائی زمانہ کیوں کہ اس کلام کے پس منظر میں ظلم و ستم کی وہ شدت نظر نہیں آتی جو بعد کے ادوار کی سورتوں کے پیچے نظر آتی ہے۔

موضوع اور مباحث:

سورہ کا موضوع توحید آخرت اور رسالت کے متعلق لوگوں کے شبہات کو رفع کرنا اور ان تینوں حقیقوں پر ایمان کی دعوت دینا ہے۔ کفارِ مکہ نبی ﷺ کے متعلق آپس میں چرچے کر رہے تھے کہ یہ شخص عجیب عجیب باتیں گھٹر گھٹر کر سنارہا ہے۔ کبھی مرنے کے بعد کی خبریں دیتا ہے اور کہتا ہے مٹی میں رمل جانے کے بعد تم پھر اٹھائے جاؤ گے اور حساب کتاب ہو گا اور دوزخ ہو گی اور جنت ہو گی کبھی کہتا ہے کہ یہ دیوی دیوتا اور بزرگ کوئی چیز نہیں ہیں، بس اکیلا ایک خدا ہی معبود ہے۔ کبھی کہتا ہے کہ میں خدا کار رسول ہوں، آسمان سے مجھ پر وحی آتی ہے اور یہ کلام جو میں تم کو سنارہا ہوں، میرا کلام نہیں بلکہ خدا کا کلام ہے۔ یہ عجیب افسانے ہیں جو یہ شخص ہمیں سنارہا ہے۔۔۔ انہی باتوں کا جواب اس سورہ کا موضوع بحث ہے۔

اس جواب میں کفار سے کہا گیا ہے کہ بلا شک وریب یہ خدا ہی کا کلام ہے اور اس لیے نازل کیا گیا ہے کہ نبوّت کے فیض سے محروم، غفلت میں پڑی ہوئی ایک قوم کو چونکا یا جائے۔ اسے تم افتراء کیسے کہ سکتے ہو جب کہ اس کا منزل من اللہ ہونا ظاہر و باہر ہے۔

پھر ان سے فرمایا گیا ہے کہ یہ قرآن جن حقائقوں کو تمہارے سامنے پیش کرتا ہے، عقل سے کام لے کر خود سوچو کہ ان میں کیا چیز اچنہبے کی ہے۔ آسمان و زمین کے انتظام کو دیکھو، خود اپنی پیدائش اور بناؤٹ پر غور کرو، کیا یہ سب کچھ اُس تعلیم کی صداقت پر شاہد نہیں ہے اوس نبی کی زبان سے اس قرآن میں تم کو دی جا رہی ہے؟ یہ نظام کائنات توحید پر دلالت کر رہا ہے یا شرک پر؟ اور اس سارے نظام کو دیکھ کر اور خود اپنی پیدائش پر نگاہ ڈال کر کیا تمہاری عقل یہی گواہی دیتی ہے کہ جس نے اب تمہیں پیدا کر رکھا ہے وہ پھر تمہیں پیدانہ کر سکے گا؟

پھر عالم آخرت کا نقشہ کھینچا گیا ہے اور ایمان کے ثرات اور کفر کے نتائج و عواقب بیان کر کے یہ ترغیب دلائی گئی ہے کہ لوگ برا انجام سامنے آنے سے پہلے کفر چھوڑ دیں اور قرآن کی اس تعلیم کو قبول کر لیں جسے مان کر خود ان کی اپنی ہی عاقبت درست ہو گی۔

پھر ان کو بتایا گیا ہے کہ یہ اللہ کی بڑی رحمت ہے کہ وہ انسان کے قصوروں پر یک ایک آخری اور فیصلہ گُن عذاب میں اسے نہیں پکڑ لیتا بلکہ اُس سے پہلے چھوٹی چھوٹی تکلیفیں مصیبتیں، آفات اور نقصانات بھیجا رہتا ہے۔ ہلکی ہلکی چوٹیں لگاتا رہتا ہے، تاکہ اُسے تنبیہ ہو اور اس کی آنکھیں کھل جائیں۔ آدمی اگر ان ابتدائی چوٹیوں ہی سے ہوش میں آجائے تو اس کے حق میں بہتر ہے۔

پھر فرمایا کہ دنیا میں یہ کوئی پہلا اور انوکھا واقعہ تو نہیں ہے کہ ایک شخص پر خدا کی طرف سے کتاب آئی ہو۔ اس سے پہلے آخر موسیٰ پر بھی کتاب آئی تھی جسے تم سب لوگ جانتے ہو۔ یہ آخر کوئی ایسی بات ہے کہ

اس پر تم لوگ یوں کان کھڑے کر رہے ہو یقین مانو کہ یہ کتاب خدا ہی کی طرف سے آئی ہے اور خوب سمجھ لونکے اب پھر وہی کچھ ہو گا جو موسمیٰ کے عہد میں ہو چکا ہے۔ امامت و پیشوائی اب انہی کو نصیب ہو گی جو اس کتابِ الہی کو مان لیں گے۔ اسے رد کر دینے والوں کے لیے ناکامی مقدر ہو چکی ہے۔

پھر کفارِ مکہ سے کہا گیا ہے کہ اپنے تجارتی سفروں کے دوران میں تم جن پچھلی تباہ شدہ قوموں کی بستیوں پر سے گزرتے ہو ان کا انجام دیکھ لو، کیا یہی انجام تم اپنے لیے پسند کرتے ہو؟ ظاہر سے دھوکہ نہ کھاؤ۔ آج تم دیکھ رہے ہو کہ محمد ﷺ کی بات چند لڑکوں اور چند غلاموں اور غریب لوگوں کے سوا کوئی نہیں سن رہا ہے اور ہر طرف سے ان پر طعن اور ملامت اور پھبٹیوں کی بارش ہو رہی ہے۔ اس سے تم یہ سمجھ بیٹھے ہو کہ یہ چلنے والی بات نہیں ہے، چار دن چلے گی اور پھر ختم ہو جائے گی۔ لیکن یہ تمہاری نظر کا دھوکا ہے، کیا یہ تمہارا رات دن کا مشاہدہ نہیں ہے کہ آج ایک زمین بالکل بے آب و گیاہ پڑی ہے جسے دیکھ کر گمان تک نہیں ہوتا کہ اس کے پیٹ میں روئیدگی کے خزانے چھپے ہوئے ہیں، مگر کل ایک ہی بارش میں وہ اس طرح بھک اٹھتی ہے کہ اس کے چپے چپے سے نموکی طاقتیں پھوٹنی شروع ہو جاتی ہیں۔

خاتمۃ کلام پر نبی ﷺ کو خطاب کر کے فرمایا گیا ہے کہ یہ لوگ تمہاری باتیں سن کر مذاق اڑاتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ حضرت، یہ فیصلہ کُنْ فتح آپ کو کب نصیب ہونے والی ہے، ذرا تاریخ تو ارشاد ہو۔ ان سے کہو کہ جب ہمارے اور تمہارے فیصلے کا وقت آجائے گا اس وقت مانا تمہارے لیے کچھ بھی مفید نہ ہو گا۔ مانا ہے تو اب مان لو، اور آخری فیصلے ہی کا انتظار کرنا ہے تو بیٹھے انتظار کرتے رہو۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

رَوْعَ

الَّمَّا تَنْزِيلُ الْكِتَابِ لَا رَيْبَ فِيهِ مِنْ رَبِّ الْعُلَمَائِنَ ﴿١﴾ أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ بَلْ هُوَ
الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ لِتُنذِرَ قَوْمًا مَا أَتَهُمْ مِنْ نَذِيرٍ مِنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ ﴿٢﴾ أَللَّهُ الَّذِي
خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةٍ أَيَّامٍ ثُمَّ أَسْتَوَى عَلَى الْعَرْشِ مَا كُمْ
مِنْ دُونِهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا شَفِيعٍ طَافَّا لَتَسْذِكَرُونَ ﴿٣﴾ يُدَبِّرُ الْأَمْرَ مِنَ السَّمَاوَاتِ إِلَى الْأَرْضِ ثُمَّ
يَعْرُجُ إِلَيْهِ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ أَلْفَ سَنَةٍ هُمَّا تَعْدُونَ ﴿٤﴾ ذَلِكَ عِلْمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةُ
الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿٥﴾ الَّذِي أَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهُ وَبَدَأَ خَلْقَ الْإِنْسَانِ مِنْ طِينٍ ﴿٦﴾ ثُمَّ جَعَلَ
نَسْلَةً مِنْ سُلْلَةٍ مِنْ مَاءٍ مَهِينٍ ﴿٧﴾ ثُمَّ سَوَّهُ وَنَفَخَ فِيهِ مِنْ رُوحِهِ وَجَعَلَ لَكُمْ
السَّمَعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئَدَةَ طَقِيلًا مَا تَشْكُرُونَ ﴿٨﴾ وَقَالُوا إِذَا ضَلَلْنَا فِي الْأَرْضِ عَإِنَّا
نَفِيَ خَلْقِي جَدِيدٍ طَبَّلُ هُمْ بِلِقَائِي رَبِّهِمْ كُفَّرُونَ ﴿٩﴾ قُلْ يَتَوَفَّكُمْ مَلَكُ الْمَوْتِ الَّذِي وُحِكَّ
بِكُمْ ثُمَّ إِلَى رَبِّكُمْ تُرْجَعُونَ ﴿١٠﴾

دکو٦۱

اللہ کے نام سے جور حمان و رحیم ہے۔

اللہ۔ اس کتاب کی تنزیل بلاشبہ رب العالمین کی طرف سے ہے۔^۱

کیا ^۲ یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس شخص نے اس خود گھٹر لیا ہے؟ ^۳ نہیں بلکہ یہ حق ہے تیرے رب کی طرف سے ^۴ تاکہ تو متنبہ کرے ایسی قوم کو جس کے پاس تجھ سے پہلے کوئی متنبہ کرنے والا نہیں آیا، شاید کہ وہ ہدایت پا جائیں ^۵

وہ ^۶ اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو اور ان ساری چیزوں کو جوان کے درمیان ہیں چھ دنوں میں پیدا کیا اور اس کے بعد عرش پر جلوہ فرمایا ^۷، اس کے سوانہ تمہارا کوئی حامی و مددگار ہے اور نہ کوئی اس کے آگے سفارش کرنے والا، پھر کیا تم ہوش میں نہ آؤ گے؟ ^۸، وہ آسمان سے زمین تک دُنیا کے معاملات کی تدبیر کرتا ہے اور اس تدبیر کی رو داد اور پر اس کے حضور جاتی ہے ایک ایسے دن میں جس کی مقدار تمہارے شمار سے ایک ہزار سال ہے ^۹ وہی ہے ہر پو شیدہ اور ظاہر کا جاننے والا ^{۱۰}، زبردست ^{۱۱}، اور رحیم ^{۱۲} جو چیز بھی اس نے بنائی خوب ہی بنائی ^{۱۳} اس نے انسان کی تخلیق کی ابتداء کارے سے کی، پھر اس کی نسل ایک ایسے ست سے چلائی جو حقیر پانی کی طرح کا ہے ^{۱۴}، پھر اسے نک سک سے درست کیا اور اس کے اندر اپنی روح پھونک دی ^{۱۵}، اور تم کو کان دیے، آنکھیں دیں اور دل دیے ^{۱۶}۔ تم لوگ کم ہی شکر گزار ہوتے ہو

اور یہ لوگ **19** کہتے ہیں ”جب ہم مٹی میں رُل مل چکے ہوں گے تو کیا ہم پھر نئے سرے سے پیدا کیے جائیں گے؟“ اصل بات یہ ہے کہ یہ اپنے رب کی ملاقات کے منکر ہیں **20** ان سے کہو ”موت کا وہ فرشتہ جو تم پر مقرر کیا گیا ہے تم کو پورا کاپورا اپنے قبضے میں لے گا اور پھر تم اپنے رب کی طرف پلٹالائے جاؤ گے

21

سورة السجدة حاشیہ نمبر: 1 ▲

قرآن مجید کی متعدد سورتیں اس طرح کے کسی نہ کسی تعارفی فقرہ سے شروع ہوتی ہیں جس سے مقصود آغاز کلام ہی میں یہ بتانا ہوتا ہے کہ یہ کلام کہاں سے آرہا ہے۔ یہ بظاہر اسی طرز کا ایک تمہیدی فقرہ ہے جیسے ریڈیو پر اعلان کرنے والا پروگرام کے آغاز میں کہتا ہے کہ ہم فلاں استیشن سے بول رہے ہیں۔ لیکن ریڈیو کے اس معمولی سے اعلان کے بر عکس قرآن مجید کی کسی سورت کا آغاز جب اس غیر معمولی اعلان سے ہوتا ہے کہ یہ پیغام فرمانزوائے کائنات کی طرف سے آرہا ہے تو یہ محض مصدر کلام کا بیان ہی نہیں ہوتا بلکہ اس کے ساتھ اس میں ایک بہت بڑا دعویٰ، ایک عظیم چیز اور ایک سخت انذار بھی شامل ہوتا ہے۔ اس لئے کہ وہ چھوٹتے ہی اتنی بڑی خبر دیتا ہے کہ یہ انسانی کلام نہیں ہے، خداوند عالم کا کلام ہے۔ یہ اعلان فوراً ہی یہ بھاری سوال آدمی کے سامنے لاکھڑا کرتا ہے کہ اس دعوے کو تسلیم کروں یا نہ کروں۔ تسلیم کرتا ہوں تو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس کے آگے سراط امداد جھکا دینا ہو گا، پھر میرے لیے اس کے مقابلہ میں کوئی آزادی باقی نہیں رہ سکتی۔ تسلیم نہیں کرتا تو لا محالہ یہ خطرہ عظیم مولیٰ یا اگر واقعی یہ خداوند عالم کا کلام ہے تو اسے رد کرنے کا نتیجہ مجھ کو ابدی شقاوت و بد بختی کی صورت میں دیکھنا پڑے گا۔ اس بناء پر یہ تمہیدی فقرہ مجرد اپنی اس غیر معمولی نوعیت ہی کی بنا پر آدمی کو مجبور کر دیتا ہے کہ چونا ہو کر انتہائی سنجیدگی کے ساتھ اس کلام کو سنے اور یہ فیصلہ کرے کہ اس کو کلام اللہ ہونے کی حیثیت سے تسلیم کرنا ہے یا نہیں۔

یہاں صرف اتنی بات کہنے پر اکتفا نہیں کیا گیا ہے کہ یہ کتاب رب العالمین کی طرف سے نازل ہوئی ہے، بلکہ مزید برالپورے زور کے ساتھ یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ **لَا رَيْبَ فِيهِ** بیشک یہ خدا کی کتاب ہے، اس کے مَرْءَلَ مِنَ اللَّهِ ہونے میں قطعاً کسی شک کی گنجائش نہیں ہے اس تاکیدی فقرے کو اگر نزول قرآن کے واقعاتی پس منظر اور خود قرآن کے اپنے سیاق میں دیکھا جائے تو محسوس ہوتا ہے کہ اس کے اندر دعوے

کے ساتھ دلیل بھی مضر ہے، اور یہ دلیل کہ معظمه کے ان باشندوں سے پوشیدہ نہ تھی جن کے سامنے یہ دعویٰ کیا جا رہا تھا۔ اس کتاب کے پیش کرنے والے کی پوری زندگی ان کے سامنے تھی، کتاب پیش کرنے سے پہلے کی بھی اور اس کے بعد کی بھی۔ وہ جانتے تھے کہ جو شخص اس دعوے کے ساتھ یہ کتاب پیش کر رہا ہے وہ ہماری قوم کا سب سے زیادہ راستباز، سنجیدہ اور پاک سیرت ہے۔ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ دعوا نے نبوت سے ایک دن پہلے تک بھی کسی نے اس سے وہ باتیں کبھی نہ سنی تھیں جو نبوت کے بعد یا کیا اس نے بیان کرنی شروع کر دیں۔ وہ اس کتاب کی زبان اور طرز بیان میں اور خود محمد ﷺ کی زبان اور طرز بیان میں نمایاں فرق پاتے تھے اور اس بات کو بد اہتمام جانتے تھے کہ ایک ہی شخص کے دو اسٹائل اتنے صریح فرق کے ساتھ نہیں ہو سکتے۔ وہ اس کتاب کے انتہائی مجزانہ ادب کو بھی دیکھ رہے تھے اور اہل زبان کی حیثیت سے خود جانتے تھے کہ ان کے سارے ادیب اور شاعر اس کی نظر پیش کرنے سے عاجز ہیں۔ وہ اس سے بھی ناواقف نہ تھے کہ ان کی قوم کے شاعروں، کاہنوں اور خطیبوں کے کلام میں اور اس کلام میں کتنا عظیم فرق ہے اور جو پاکیزہ مضامین اس کلام میں بیان کئے جا رہے ہیں وہ کتنے بلند پایہ ہیں۔ انہیں اس کتاب میں، اور اس کے پیش کرنے والے کی دعوت میں کہیں دور دور بھی اس خود غرضی کا ادنیٰ شائبہ تک نظر نہیں آتا تھا جس سے کسی جھوٹے مدعی کا کام اور کلام کبھی خالی نہیں ہو سکتا۔ وہ خورد بین لگا کر بھی اس امر کی نشان دہی نہیں کر سکتے تھے کہ نبوت کا یہ دعویٰ کر کے محمد ﷺ اپنی ذات کے لئے یا اپنے خاندان کے لئے یا اپنی قوم کے لئے کیا حاصل کرنا چاہتے ہیں اور اس کام میں ان کی اپنی کیا غرض پوشیدہ ہے۔ پھر وہ یہ بھی دیکھ رہے تھے کہ اس دعوت کی طرف ان کی قوم کے کیسے لوگ کھج رہے ہیں اور اس سے وابستہ ہو کر ان کی زندگیوں میں کتنا بڑا انقلاب واقع ہو رہا ہے۔ یہ ساری باتیں مل جل کر خود دلیل دعویٰ بنی ہوئی تھیں اسی

لئے اس پس منظر میں یہ کہنا بالکل کافی تھا کہ اس کتاب کا رب العالمین کی طرف سے نازل شدہ ہونا ہر شک و شبہ سے بالاتر ہے۔ اس پر کسی دلیل کے اضافے کی کوئی حاجت نہ تھی۔

سورة السجدة حاشیہ نمبر: 2 ▲

اوپر کے تمہیدی فقرے کے بعد مشرکین مکہ کے پہلے اعتراض کو لیا جا رہا ہے جو وہ محمد ﷺ کی رسالت پر کرتے تھے۔

سورة السجدة حاشیہ نمبر: 3 ▲

یہ محض سوال و استقہام نہیں ہے بلکہ اس میں سخت تجھب کا انداز پایا جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ان ساری باتوں کے باوجود، جن کی بنا پر اس کتاب کا مُنزَّل مِنَ اللَّهِ ہونا ہر شک و شبہ سے بالاتر ہے، کیا یہ لوگ ایسی صریح ہٹ دھرمی کی بات کہہ رہے ہیں کہ محمد ﷺ اسے خود تصنیف کر کے جھوٹ موت اللہ رب العالمین کی طرف منسوب کر دیا ہے؟ اتنا لغو اور بے سرو پا الزام رکھتے ہوئے کوئی شرم ان کو نہیں آتی؟ انہیں کچھ محسوس نہیں ہوتا کہ جو لوگ محمد ﷺ کو اور ان کے کام اور کلام کو جانتے ہیں اور اس کتاب کو بھی سمجھتے ہیں، وہ اس بیہودہ الزام کو سن کر کیا رائے قائم کریں گے؟

سورة السجدة حاشیہ نمبر: 4 ▲

جس طرح پہلی آیت میں لا رَبَّ فِيهِ کہنا کافی سمجھا گیا تھا اور اس سے بڑھ کر کوئی استدلال قرآن کے کلام الٰہی ہونے کے حق میں پیش کرنے کی ضرورت نہ سمجھی گئی تھی، اسی طرح اب اس آیت میں بھی کفار مکہ کے الزام افترا پر صرف اتنی بات ہی کہنے پر اکتفا کیا جا رہا ہے کہ "یہ حق ہے تیرے رب کی طرف سے" اس کی وجہ وہی ہے جو اوپر حاشیہ نمبر ۱ میں ہم بیان کر چکے ہیں۔ کون، کس ماحول میں، کس شان کے ساتھ یہ کتاب پیش کر رہا تھا، یہ سب کچھ سامعین کے سامنے موجود تھا۔ اور یہ کتاب بھی اپنی زبان اور اپنے ادب اور مضامین کے ساتھ سب کے سامنے تھی۔ اور اس کے اثرات و نتائج بھی مکہ کی اس سوسائٹی میں سب

اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔ اس صورت حال میں اس کتاب کارب العالمین سے آیا ہوا حق ہونا ایسا صریح امر واقعہ تھا جسے صرف حتیٰ طور پر بیان کر دینا ہی کفار کے الزام کی تردید کے لیے کافی تھا۔ اس پر کسی استدلال کی کوشش بات کو مضبوط کرنے کے بجائے الٹی اس کمزور کرنے کی وجہ ہوتی۔ یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے دن کے وقت سورج چمک رہا ہو اور کوئی ڈھیٹ آدمی کہے کہ یہ اندر ہیری رات ہے۔ اس کے جواب میں صرف یہی کہنا کافی ہے کہ تم اسے رات کہتے ہو؟ یہ روز روشن تو سامنے موجود ہے۔ اس کے بعد دن کے موجود ہونے پر اگر آپ منطقی دلیلیں قائم کریں گے تو اپنے جواب کے زور میں کوئی اضافہ نہیں کریں گے بلکہ درحقیقت اس کے زور کو کچھ کم ہی کر دیں گے۔

سورة السجدة حاشیہ نمبر: 5 ▲

یعنی جس کا حق ہونا اور من جانب اللہ ہونا قطعی و یقینی امر ہے اسی طرح اس کا مبنی بر حکمت ہونا اور خود تم لوگوں کے لیے خدا کی ایک رحمت ہونا بھی ظاہر ہے۔ تم خود جانتے کہ صد ہا برس سے تمہارے اندر کوئی پیغمبر نہیں آیا ہے۔ تم خود جانتے ہو کہ تمہاری ساری قوم جہالت اور اخلاقی پستی اور سخت پسماندگی میں مبتلا ہے۔ اس حالت میں اگر تمہیں بیدار کرنے اور راہ راست دکھانے کے لیے ایک پیغمبر تمہارے درمیان بھیجا گیا ہے تو اس پر حیران کیوں ہوتے ہو۔ یہ تو ایک بڑی ضرورت ہے جسے اللہ تعالیٰ نے پورا کیا ہے اور تمہاری اپنی بھلائی کے لیے کیا ہے۔

واضح رہے کہ عرب میں دین حق کی روشنی سب سے پہلے حضرت ہود علیہ السلام اور حضرت صالح علیہ السلام کے ذریعہ سے پہنچی تھی جو زمانہ قبل تاریخ میں گزرے ہیں۔ پھر حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام آئے جن کا زمانہ حضور ﷺ سے ڈھائی ہزار برس قبل گزرا ہے۔ اس کے بعد آخری پیغمبر جو عرب کی سر زمین میں نبی ﷺ سے پہلے بھیجے گئے وہ حضرت شعیب علیہ السلام تھے۔ اور ان کی آمد پر بھی دو ہزار برس

گزر چکے تھے۔ یہ اتنی طویل مدت ہے کہ اس کے لحاظ سے یہ کہنا بالکل بجا تھا کہ اس قوم کے اندر کوئی متنبہ کرنے والا نہیں آیا۔ اس ارشاد کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس قوم میں کبھی کوئی متنبہ کرنے والا نہ آیا تھا۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک مدت دراز سے یہ قوم ایک متنبہ کرنے والے کی محتاج چلی آ رہی ہے۔

یہاں ایک اور سوال سامنے آ جاتا ہے جس کو صاف کر دینا ضروری ہے۔ اس آیت کو پڑھتے ہوئے آدمی کے ذہن میں یہ کھٹک پیدا ہوتی ہے کہ جب نبی ﷺ سے پہلے صد ہابرس تک عربوں میں کوئی نبی نہیں آیا تو اس جاہلیت کے دور میں گزرے ہوئے لوگوں سے آخر باز پرس کس بنیاد پر ہو گی؟ انہیں معلوم ہی کہ تھی کہ ہدایت کیا ہے اور ضلالت کیا ہے؟ پھر اگر وہ گمراہ تھے تو اپنی اس گمراہی کے ذمہ دار وہ کیسے قرار دیے جاسکتے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ دین کا تفصیلی علم چاہے اس جاہلیت کے زمانہ میں لوگوں کے پاس نہ رہا ہو، مگر یہ بات اس زمانے میں بھی لوگوں سے پوشیدہ نہ تھی کہ اصل دین توحید ہے اور انبياء علیہم السلام نے کبھی بت پرستی نہیں سکھائی ہے۔ یہ حقیقت ان روایات میں بھی محفوظ تھی جو عرب کے لوگوں کو اپنی سرز میں کے انبياء سے پہنچی تھیں، اور اسے قریب کی سرز میں میں آئے ہوئے انبياء حضرت موسیٰ، حضرت داؤد، حضرت سلیمان اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام کی تعلیمات کے واسطے سے بھی وہ جانتے تھے۔ عرب کی روایات میں یہ بات بھی مشہور و معروف تھی کہ قدیم زمانہ میں اہل عرب کا اصل دین، دین ابراہیم (علیہ السلام) تھا اور بت پرستی ان کے ہاں عمر و بن الحنفی نامی ایک شخص نے شروع کی تھی۔ شرک و بت پرستی کے رواج عام کے باوجود عرب کے مختلف حصوں میں جگہ جگہ ایسے لوگ موجود تھے جو شرک سے انکار کرتے تھے، توحید کا اعلان کرتے تھے اور بتوں پر قربانیاں کرنے کی علامیہ مذمت کرتے تھے خود نبی ﷺ کے عہد سے بالکل قریب زمانے میں قُسْ بن سعیدۃ الایاوی، اُمیَّة بن ابی الصَّلَت، سُوِید بن عُمَر و اُمُضطَلْقَی، و کعْبَن سَعْمَہ بن زُبَیر الاِیاوی، عُمَر و بن جُنْدُب الْجُهْنَی، ابو قیس صَرْمَہ بن ابی اَسْ، زید بن عُمَر و بن نَفِیل، و رَقَہ بن

نَوْفَلٌ، عَثَمَانُ بْنُ الْحُوَيْزِّ، عَبْدُ اللَّهِ بْنُ جَحْشٍ، عَامِرُ بْنُ الظَّرْبِ الْعَدْوَانِيٍّ، عَلَافُ بْنُ شَهَابٍ التَّمِيميٍّ، الْمُتَلَمِّسٌ
 بْنُ أُمَّيَّةِ الْكَنَانِيٍّ، رُبَّهِيرُ بْنُ أَبِي سَلْمَىٍّ، خَالِدُ بْنُ سِنَانٍ بْنُ غَيْثٍ، الْعَبْسِيٌّ، عَبْدُ اللَّهِ الْقُضَاعِيٌّ اور ایسے ہی، بہت سے
 لوگوں کے حالات ہمیں تاریخوں میں ملتے ہیں جنہیں حُنَفَاء کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ سب لوگ علی الـ
 علان توحید کو اصل دین کہتے تھے اور مشرکین کے مذہب سے اپنی بے تعلقی کا صاف صاف اظہار کرتے
 تھے۔ ظاہر ہے کہ ان لوگوں کے ذہن میں یہ تخیل اننبیاء علیہم السلام کی سابقہ تعلیمات کے باقی ماندہ اثرات
 ہی سے آیا تھا۔ اس کے علاوہ یمن میں چوتھی پانچویں صدی عیسوی کے جو کتابات آثار قدیمہ کی جدید
 تحقیقات کے سلسلے میں برآمد ہوئے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں وہاں ایک توحیدی مذہب
 موجود تھا جس کے پیرو الرحمان اور رب السماء والارض ہی کو الله واحد تسلیم کرتے تھے۔ ۳۷۸ عیسوی کا
 ایک کتبہ ایک عبادت گاہ کے کھنڈر سے ملا ہے جس میں لکھا گیا ہے کہ یہ معبد "الله ذو سمُوی" یعنی الله السماء
 کی عبادت کے لئے بنایا گیا ہے۔ ۳۶۵ عیسوی کے ایک کتبہ میں بنصوص و رد المحتار بعل سبین وارضین
 (بنصوص و بعون الله رب السماء والارض) کے الفاظ لکھے ہیں جو عقیدہ توحید پر صریح دلالت کرتے ہیں۔
 اسی دور کا ایک اور کتبہ ایک قبر پر ملا ہے جس میں بخیل رحمن (یعنی استعين بحول الرحمن) کے الفاظ
 لکھے ہوئے ہیں، اسی طرح شمال عرب میں دریائے فرات اور قفسرین کے درمیان زبد کے مقام پر ۵۱۲
 عیسوی کا ایک کتبہ ملا ہے جس میں بسم الله لا إِلَهَ إِلَّا الله لا شُكُرَ إِلَّا الله کے الفاظ پائے جاتے ہیں۔ یہ ساری
 باتیں بتاتی ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی بعثت سے پہلے اننبیاء سابقین کی تعلیمات کے آثار عرب سے
 بالکل مٹ نہیں گئے تھے اور کم از کم اتنی بات یاد دلانے کے لیے بہت سے ذرائع موجود تھے کہ "تمہارا خدا
 ایک ہی خدا ہے"۔ (مزید تشرح کے لیے ملاحظہ ہو تفہیم القرآن جلد سوم، صفحات ۳۶۳-۳۶۵)

سورة السجدة حاشیہ نمبر: 6 ▲

اب مشرکین کے دوسرے اعتراض کو لیا جاتا ہے جو وہ نبی ﷺ کی دعوت توحید پر کرتے تھے۔ ان کو اس بات پر سخت اعتراض تھا کہ نبی ﷺ ان کے دیوتاؤں، اور بزرگوں کی معبدیت سے انکار کرتے ہیں اور ہانکے پکارے یہ دعوت دیتے ہیں کہ ایک اللہ کے سوا کوئی معبود کوئی کار ساز، کوئی حاجت روا، کوئی دعائیں سننے والا، اور بگڑی بنانے والا، اور کوئی حاکم ذی اختیار نہیں ہے۔

سورة السجدة حاشیہ نمبر: 7 ▲

تشريع کے لیے ملاحظہ ہو تفہیم القرآن جلد دوم ص ۳۶۱-۳۶۲-۲۶۲-۲۶۱-۳۲۲۔

سورة السجدة حاشیہ نمبر: 8 ▲

یعنی تمہارا اصل خدا تو خالق زمین و آسمان ہے۔ تم کس خیال خام میں مبتلا ہو کہ کائنات کی اس عظیم الشان سلطنت میں اس کے سواد و سروں کو کار ساز سمجھ بیٹھے ہو۔ اس پوری کائنات کا اور اس کی ہر چیز کا پیدا کرنے والا اللہ ہے۔ اس کی ذات کے سوا ہر دوسری چیز جو یہاں پائی جاتی ہے، مخلوق ہے۔ اور اللہ اس دنیا کو بنادینے کے بعد کہیں جا کر سو بھی نہیں گیا ہے، بلکہ اپنی اس سلطنت کا تخت نشین اور حاکم و فرمادا بھی وہ آپ ہی ہے۔ پھر تمہاری عقل آخر کہاں چرنا چلے گئی ہے کہ تم مخلوقات میں سے چند ہستیوں کو اپنی قسمتوں کا مالک قرار دے رہے ہو؟ اگر اللہ تمہاری مدد نہ کرے تو ان میں سے کس کی یہ طاقت ہے کہ تمہاری مدد کر سکے؟ اگر اللہ تمہیں پکڑے تو ان میں سے کس کا یہ زور ہے کہ تمہیں چھڑا سکے؟ اگر اللہ سفارش نہ سنے تو ان میں سے کون یہ بل بو تارکھتا ہے کہ اس سے اپنی سفارش منوالے؟

سورة السجدة حاشیہ نمبر: 9 ▲

یعنی تمہارے نزدیک جو ایک ہزار برس کی تاریخ ہے وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں گویا ایک دن کا کام ہے جس کی اسکیم آج کارکنان قضا و قدر کے سپرد کی جاتی ہے اور کل وہ اس کی رو داد اس کے حضور پیش کرتے ہیں تاکہ

دوسرے دن (یعنی تمہارے حساب سے ایک ہزار برس) کا کام ان کے سپرد کیا جائے۔ قرآن مجید میں یہ مضمون دو مقامات پر اور بھی آیا ہے جنہیں نگاہ میں رکھنے سے اس کا مطلب اچھی طرح سمجھ میں آسکتا ہے۔ کفار عرب کہتے تھے کہ محمد ﷺ کو نبوت کا دعویٰ لے کر سامنے آئے کئی برس گزر چکے ہیں۔ وہ بار بار ہم سے کہتے ہیں کہ اگر میری اس دعوت کو تم لوگ قبول نہ کرو گے اور مجھے جھٹلاو گے تو تم پر خدا کا عذاب آجائے گا۔ مگر کئی برس سے وہ اپنی یہ بات دوہرائے جا رہے ہیں اور آج تک عذاب نہ آیا، حالانکہ ہم ایک دفعہ نہیں ہزاروں مرتبہ انہیں صاف صاف جھٹلا چکے ہیں۔ ان کی یہ دھمکیاں واقعی سچی ہوتیں تو ہم پر نہ معلوم کبھی کا عذاب آچکا ہوتا۔ اس پر اللہ تعالیٰ سورہ حج میں فرماتا ہے:

وَيَسْتَعِجُلُونَكَ بِالْعَذَابِ وَلَنْ يُخْلِفَ اللَّهُ وَعْدَهُ وَإِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رِبِّكَ كَالْفِ سَنَةٍ هُمَّا

تَعْذُّدُونَ

یہ لوگ عذاب کے لیے جلدی مچا رہے ہیں۔ اللہ ہر گز اپنے وعدے کے خلاف نہ کرے گا۔ مگر تیرے رب کے ہاں کا ایک دن تم لوگوں کے شمار سے ہزار برس جیسا ہوا کرتا ہے۔ (آیت ۲۷)

دوسری جگہ اسی بات کا جواب یہ دیا گیا ہے:

سَأَلَ سَأَلْتُ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ ۝ إِلَمْ كَفِرُونَ كَيْسَ لَهُ دَافِعٌ ۝ مِنْ أَدْلِهِ ذِي الْمَعَارِجِ ۝ تَعْرُجُ الْمَلِئَكَةُ وَالرُّؤْسُ إِلَيْهِ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ ۝ فَاصْبِرْ صَبِرًا جَمِيلًا ۝ إِنَّهُمْ يَرَوْنَهُ بَعِيدًا ۝ وَنَزَهُ قَرِيبًا ۝

پوچھنے والا پوچھتا ہے اس عذاب کو جو واقع ہونے والا ہے کافروں کے لیے جس کو دفع کرنے والا کوئی نہیں ہے، اس خدا کی طرف سے جو چڑھتے درجوں والا ہے (یعنی درجہ بدرجہ کام کرنے والا)۔ چڑھتے ہیں اس کی

طرف ملائکہ اور روح ایک ایسے دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار برس ہے۔ پس اے نبی! صبر جمیل سے کام لو۔ یہ لوگ اسے دور سمجھتے ہیں اور ہم اسے قریب دیکھ رہے ہیں۔ (المعارج۔ آیات ۱۔ ۷)

ان تمام ارشادات سے جو بات ذہن نشین کرائی گئی ہے وہ یہ ہے کہ انسانی تاریخ میں خدا کے فیصلے دنیا کی گھڑیوں اور جنتریوں کے لحاظ سے نہیں ہوتے۔ کسی قوم سے اگر کہا جائے کہ تم فلاں روشن اختیار کرو گے تو اس کا انجام تمہیں یہ کچھ دیکھنا ہو گا، تو وہ قوم سختِ حمق ہو گی اگر اس کا مطلب سمجھے کہ آج وہ روشن اختیار کی جائے اور کل اس کے برے نتائج سامنے آ جائیں۔ ظہور نتائج کے لیے دن اور مہینے اور سال تو کیا چیز ہیں، صدیاں بھی کوئی بڑی مدت نہیں ہیں۔

سورة السجدة حاشیہ نمبر: 10 ▲

یعنی دوسرے جو بھی ہیں ان کے لیے ایک چیز ظاہر ہے تو بے شمار چیزیں ان سے پوشیدہ ہیں۔ فرشتے ہوں یا جن، یا نبی اور ولی اور برگزیدہ انسان، ان میں سے کوئی بھی اپس انہیں ہے جو سب کچھ جاننے والا ہو۔ یہ صفت صرف اللہ تعالیٰ کی ہے کہ اس پر ہر چیز عیاں ہے۔ جو کچھ گزر چکا ہے، جو کچھ موجود ہے، اور جو کچھ آنے والا ہے، سب اس پر روشن ہے۔

سورة السجدة حاشیہ نمبر: 11 ▲

یعنی ہر چیز پر غالب۔ کائنات میں کوئی طاقت ایسی نہیں جو اس کے ارادے میں مراحم ہو سکے اور اس کے حکم کو نافذ ہونے سے روک سکے۔ ہر شے اس سے مغلوب ہے اور کسی میں اس کے مقابلے کابل بوتا نہیں ہے۔

سورة السجدة حاشیہ نمبر: 12 ▲

یعنی اس غلبے اور قوت قاہرہ کے باوجود وہ ظالم نہیں ہے بلکہ اپنی مخلوق پر رحیم و شفیق ہے۔

سورة السجدة حاشیہ نمبر: 13 ▲

یعنی اس عظیم الشان کائنات میں اس نے بے حد و حساب چیزیں بنائی ہیں، مگر کوئی ایک چیز بھی ایسی نہیں ہے جو بے ڈھنگی اور بے تنگی ہو۔ ہر شے اپنا ایک الگ حسن رکھتی ہے۔ ہر شے اپنی جگہ مناسب اور موزوں ہے۔ جو چیز جس کام کے لیے بھی اس نے بنائی ہے اس کے لیے موزوں ترین شکل پر، مناسب ترین صفات کے ساتھ بنائی ہے۔ دیکھنے کے لیے آنکھ اور سننے کے لیے کان کی ساخت سے زیادہ موزوں کسی ساخت کا تصور تک نہیں کیا جاسکتا۔ ہوا اور پانی جن مقاصد کے لیے بنائے گئے ہیں ان کے لئے ہوا ٹھیک ویسی ہی ہے جیسی ہونی چاہیے، اور پانی وہی اوصاف رکھتا ہے جیسے ہونے چاہیں۔ تم خدا کی بنائی ہوئی کسی چیز کے نقشے میں کسی کو تاہمی کی نشاندہی نہیں کر سکتے ہو۔

سورة السجدة حاشیہ نمبر: 14 ▲

یعنی پہلے اس نے براہ راست اپنے تخلیقی عمل (Direct Creation) سے انسان کو پیدا کیا، اور اس کے بعد خود اسی انسان کے اندر تناصل کی یہ طاقت رکھ دی کہ اس کے نطفہ سے ویسے ہی انسان پیدا ہوتے چلے جائیں۔ ایک کمال یہ تھا کہ زمین کے مواد کو جمع کر کے ایک تخلیقی حکم سے اس میں وہ زندگی اور وہ شعور و تعلق پیدا کر دیا جس سے انسان جیسی ایک حریت اکنیز مخلوق وجود میں آگئی۔ اور دوسرا کمال یہ ہے کہ آئندہ مزید انسانوں کی پیدائش کے لیے ایک ایسی عجیب مشینری خود انسانی ساخت کے اندر رکھ دی جس کی ترکیب اور کارگزاری کو دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے۔

یہ آیت قرآن مجید کی ان آیات میں سے ہے جو انسان اول کی براہ راست تخلیق کی تصریح کرتی ہیں۔ ڈارون کے زمانہ سے سائنس دال حضرات اس تصور پر بہت ناک بھوں چڑھاتے ہیں اور بڑی حقارت کے ساتھ وہ اس کو ایک غیر سائنسی نظریہ قرار دے کر گویا پھینک دیتے ہیں۔ لیکن انسان کی نہ سہی، تمام انواع حیوانی کی نہ سہی، اولین جرثومہ حیات کی براہ راست تخلیق سے تو وہ کسی طرح پیچھا نہیں چھڑا سکتے۔

اس تخلیق کو نہ مانا جائے تو پھر یہ انتہائی لغو بات ماننی پڑے گی کہ زندگی کی ابتداء میں ایک حادثہ کے طور پر ہوئی ہے، حالانکہ صرف ایک خلیہ (Cell) والے حیوان میں زندگی کی سادہ ترین صورت بھی اتنی پیچیدہ اور نازک حکمتوں سے لبریز ہے کہ اسے حادثہ کا نتیجہ قرار دینا اس سے لاکھوں درجہ غیر سائنسی فک بات ہے جتنا نظریہ ارتقاء کے قائلین نظریہ تخلیق کو ٹھہراتے ہیں۔ اور اگر ایک دفعہ آدمی یہ مان لے کہ حیات کا پہلا جراثومہ براہ راست تخلیق سے وجود میں آیا تھا، پھر آخر یہی ماننے میں کیا قباحت ہے کہ ہر نوع حیوانی کا پہلا فرد خالق کے تخلیقی عمل سے پیدا ہوا ہے، اور پھر اس نسل تناسل (Procreation) کی مختلف صورتوں سے چلی ہے۔ اس بات کو مان لینے سے وہ بہت سی گھنیاں حل ہو جاتی ہیں جو ڈارو نیت کے علمبرداروں کی ساری سائنسی فک شاعری کے باوجود ان کے نظریہ ارتقاء میں غیر حل شدہ رہ گئی ہیں۔ (مزید تشریح کے لئے ملاحظہ ہو تفہیم القرآن جلد اول، صفحات ۲۵۹-۳۱۹-۵۶۶-۱۰۶-۱۱۰-۵۰۳۔ جلد سوم، صفحات ۲۰۱-۲۶۹)۔

▲ سورۃ السجدة حاشیہ نمبر: 15

یعنی انتہائی باریک خورد بینی وجود سے بڑھا کر اسے پوری انسانی شکل تک پہنچایا اور اس کا جسم سارے اعضاء وجوارح کے ساتھ مکمل کر دیا۔

▲ سورۃ السجدة حاشیہ نمبر: 16

روح سے مراد میں وہ زندگی نہیں ہے جس کی بدولت ایک ذی حیات جسم کی مشین متحرک ہوتی ہے، بلکہ اس سے مراد وہ خاص جوہر ہے جو فکر و شعور اور عقل و تمیز اور فیصلہ و اختیار کا حامل ہوتا ہے، جس کی بدولت انسان تمام دوسری مخلوقات ارضی سے ممتاز ایک صاحب شخصیت ہستی، صاحب آنا ہستی، اور حامل خلافت ہستی بنتا ہے۔ اس روح کو اللہ تعالیٰ نے اپنی روح یا تو اس معنی میں فرمایا ہے کہ وہ اسی کی ملک ہے اور اس کی ذات پاک کی طرف اس کا انتساب اسی طرح کا ہے جس طرح ایک چیز اپنے مالک کی طرف منسوب

ہو کر اس کی چیز کھلاتی۔ یا پھر اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کے اندر علم، فکر، شعور، ارادہ، فیصلہ، اختیار اور ایسے ہی دوسرے جو اوصاف پیدا ہوئے ہیں وہ سب اللہ تعالیٰ کی صفات کے پرتو ہیں۔ ان کا سرچشمہ مادے کی کوئی ترکیب نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ اللہ کے علم سے اس کو علم ملا ہے، اللہ کی حکمت سے اس کی داناٹی ملی ہے، اللہ کے اختیار سے اس کو اختیار ملا ہے۔ یہ اوصاف کسی بے علم، بے دانش اور بے اختیار مخذل سے انسان کے اندر نہیں آئے ہیں۔ (مزید تشریح کے لئے ملاحظہ ہو تفہیم القرآن جلد دوم، صفحات ۵۰۳-۵۰۵)

سورة السجدة حاشیہ نمبر: 17 ▲

یہ ایک لطیف انداز بیان ہے۔ روح پھونکنے سے پہلے انسان کا سارا ذکر صیغہ غائب میں کیا جاتا رہا۔ "اس کی تخلیق کی"، "اس کی نسل چلانی"، "اس کو نک سک سے درست کیا"، "اس کے اندر روح پھونکی"۔ اس لیے اس وقت تک وہ خطاب کے لاکن نہ تھا۔ پھر جب روح پھونک دی گئی تو اس سے فرمایا جا رہا ہے کہ "تم کو کان دیے"، "تم کو آنکھیں دیں"، "تم کو دل دیے" اس لیے کہ حامل روح ہو جانے کے بعد ہی وہ اس قابل ہوا کہ اسے مخاطب کیا جائے۔

کان اور آنکھوں سے مراد وہ ذرائع ہیں جن سے انسان علم حاصل کرتا ہے۔ اگرچہ حصول علم کے ذرائع ذائقہ اور لامسہ اور شامہ بھی ہیں، لیکن سماعت و بینائی تمام دوسرے حواس سے زیادہ بڑے اور اہم ذرائع ہیں، اس لیے قرآن جگہ جگہ انہی دو کو خدا کے نمایاں عطايوں کی حیثیت سے پیش کرتا ہے۔ اس کے بعد "دل" سے مراد وہ ذہن (Mind) ہے جو حواس کے ذریعہ سے حاصل شدہ معلومات کو مرتب کر کے ان سے نتائج نکالتا ہے اور عمل کی مختلف امکانی را ہوں میں سے کوئی ایک را منتخب کرتا اور اس پر چلنے کا فیصلہ کرتا ہے۔

سورة السجدة حاشیہ نمبر: 18 ▲

یعنی یہ عظیم القدر انسانی روح اتنے بلند پایہ اوصاف کے ساتھ تم کو اس لیے تو عطا نہیں کی گئی تھی کہ تم دنیا میں جانوروں کی طرح رہو اور اپنے لیے بس وہی زندگی کا نقشہ بنالو جو کوئی حیوان بناسکتا ہے۔ یہ آنکھیں تمہیں چشم بصیرت سے دیکھنے کے لیے دی گئی تھیں نہ کہ اندھے بن کر رہنے کے لیے۔ یہ کان تمہیں گوش ہوش سے سننے کے لیے دیے گئے تھے نہ کہ بہرے بن کر رہنے کے لیے۔ یہ دل تمہیں اس لیے دیے گئے تھے کہ حقیقت کو سمجھو اور صحیح راہ فکر و عمل اختیار کرو، نہ اس لیے کہ اپنی ساری صلاحیتیں صرف اپنی حیوانیت کی پرورش کے وسائل فراہم کرنے میں صرف کردو، اور اس سے کچھ اونچے اٹھو تو اپنے خالق سے بغاوت کے فلسفے اور پروگرام بنانے لگو۔ یہ بیش قیمت نعمتیں خدا سے پانے کے بعد جب تم دہریت یا شرک اختیار کرتے ہو، جب تم خود خدا یاد و سرے خداوں کے بندے بنتے ہو، جب تم خواہشات کے غلام بن کر جسم و نفس کی لذتوں میں غرق ہو جاتے ہو، تو گویا اپنے خدا سے یہ کہتے ہو کہ ہم ان نعمتوں کے لاکن نہ تھے، ہمیں انسان بنانے کے بنائے تجوہ ایک بندر، یا ایک بھیڑیا، یا ایک مگر مچھ یا ایک کوابنا ناچاپیے تھا۔

سورة السجدة حاشیہ نمبر: 19 ▲

رسالت اور توحید پر کفار کے اعتراضات کا جواب دینے کے بعد اب اسلام کے تیسرے بنیادی عقیدے یعنی آخرت پر ان کے اعتراض کو لے کر اس کا جواب دیا جاتا ہے۔ آیت میں وَقَاتُؤَا کا واوِ عطف مضمون مسبق سے اس پیراگراف کا تعلق جوڑتا ہے۔ گویا ترتیب کلام یوں ہے کہ "وہ کہتے ہیں محمد ﷺ کے رسول نہیں ہیں"، اور "وہ کہتے ہیں کہ ہم مر کر دوبارہ نہ اٹھیں گے"۔

سورة السجدة حاشیہ نمبر: 20 ▲

اوپر کے فقرے کے درمیان پوری ایک داستان کی داستان ہے جسے سامع کے ذہن پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ کفار کا جو اعتراض پہلے فقرے میں نقل گیا ہے وہ اتنا مہمل ہے کہ اس کی تردید کی حاجت

محسوس نہیں کی گئی۔ اس کا محض نقل کر دینا، اس کی لغویت ظاہر کرنے کے لیے کافی سمجھا گیا۔ اس لیے کہ ان کا اعتراض جن دو اجزاء پر مشتمل ہے وہ دونوں ہی سراسر غیر معقول ہیں۔ ان کا یہ کہنا کہ "ہم مٹی میں رُل مل چکے ہوں گے" آخر کیا معنی رکھتا ہے۔ "ہم" جس چیز کا نام ہے وہ مٹی میں کب رلتی ملتی ہے؟ مٹی میں تو صرف وہ جسم ملتا ہے جس سے "ہم" نکل چکا ہوتا ہے۔ اس جسم کا نام "ہم" نہیں ہے۔ زندگی کی حالت میں جب اس جسم کے اعضاء کا ٹੀ جاتے ہیں تو عضو پر عضو کٹا چلا جاتا ہے مگر "ہم" پورا کا پورا اپنی جگہ موجود رہتا ہے۔ اس کا کوئی جز بھی کسی کٹے ہوئے عضو کے ساتھ نہیں جاتا۔ اور جب یہ "ہم" کسی جسم میں سے نکل جاتا ہے تو پورا جسم موجود ہوتے ہوئے بھی اس پر اس "ہم" کے کسی ادنی شانے تک کا اطلاق نہیں ہوتا۔ اسی لیے تو ایک عاشق جاں ثار اپنے معشوق کے مردہ جسم کو لے جا کر دفن کر دیتا ہے، کیونکہ معشوق اس جسم سے نکل چکا ہوتا ہے۔ اور وہ معشوق نہیں بلکہ اس خالی جسم کو دفن کرتا ہے جس میں کبھی اس کا معشوق رہتا تھا۔ پس معتز ضین کے اعتراض کا پہلا مقدمہ ہی بے بنیاد ہے۔ رہا اس کا دوسرا جز:

کیا ہم پھر نے سرے سے پیدا کیے جائیں گے؟ تو یہ انکار و تعجب کے انداز کا سوال سرے سے پیدا ہی نہ ہوتا اگر معتز ضین نے بات کرنے سے پہلی اس "ہم" اور اس کے پیدا کیے جانے کے مفہوم پر ایک لمحہ کے لیے کچھ غور کر لیا ہوتا۔ اس "ہم" کی موجودہ پیدائش اس کے سوا کیا ہے کہ کہیں سے کوئی اور کہیں سے لوہا اور کہیں سے چونا اور اسی طرح کے دوسرے اجزاء جمع ہوئے اور اس کا لبد خاکی میں یہ "ہم" براجمن ہو گیا۔ پھر اس کی موت کے بعد کیا ہوتا ہے؟ اس لبد خاکی میں سے جب "ہم" نکل جاتا ہے تو اس کا مکان تغیر کرنے کے لیے جو اجزاء زمین کے مختلف حصوں سے فراہم کیے گئے تھے وہ سب اسی زمین میں واپس چلے جاتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ جس نے پہلے اس "ہم" کو یہ مکان بنایا کر دیا تھا، کیا وہ دوبارہ اسی سروسامان سے وہی مکان بنایا کر اسے از سر نواس میں بسا سکتا؟ یہ چیز جب پہلے ممکن تھی اور واقعہ کی صورت میں رونما

ہو چکی ہے، تو دوبارہ اس کے ممکن ہونے اور واقعہ بننے میں آخر کیا امر مانع ہے؟ یہ باتیں الیسی ہیں جنہیں ذرا سی عقل آدمی استعمال کرے تو خود ہی سمجھ سکتا ہے۔ لیکن وہ اپنی عقل کو اس رخ پر کیوں نہیں جانے دیتا؟ کیا وجہ ہے کہ وہ بے سوچ سمجھے حیات بعد الموت اور آخرت پر اس طرح کے لایعنی اعتراضات جڑتا ہے؟ پیش کی ساری بحث چھوڑ کر اللہ تعالیٰ دوسرے فقرے میں اسی سوال کا جواب دیتا ہے کہ "دراصل یہ اپنے رب کی ملاقات کے منکر ہیں"۔ یعنی اصل بات یہ نہیں ہے کہ دوبارہ پیدائش کوئی بڑی ہی انوکھی اور بعید از امکان بات ہے جو ان کی سمجھ میں نہ آسکتی ہو، بلکہ دراصل جو چیز انہیں یہ بات سمجھنے سے روکتی ہے وہ ان کی یہ خواہش ہے کہ ہم زمین میں چھوٹے پھریں اور دل کھول کر گناہ کریں اور پھر نلوہ (Scot-ires) یہاں سے نکل جائیں۔ پھر ہم سے کوئی پوچھ گچھنا ہو۔ پھر اپنے کرتوں کا کوئی حساب ہمیں نہ دینا پڑے۔

سورة السجدة حاشیہ نمبر: 21

یعنی تمہارا "ہم" مٹی میں رُل ملنہ جائے گا، بلکہ اس کی مہلت عمل ہوتے ہی خدا کا فرشتہ موت آئے گا اور اسے جسم سے نکال کر سُموچا اپنے قبضے میں لے لے گا۔ اس کا کوئی ادنیٰ جز بھی جسم کے ساتھ مٹی میں نہ جاسکے گا۔ اور وہ پورا کا پورا حراست (Custody) میں لے لیا جائے گا اور اپنے رب کے حضور پیش کر دیا جائے گا۔

اس مختصر سی آیت میں بہت سے حقائق پر روشنی ڈالی گئی ہے جن پر سے سرسری طور پر نہ گزر جائیے:

(1) اس میں تصریح ہے کہ موت کچھ یوں ہی نہیں آجائی کہ ایک گھری چل رہی تھی، کوک ختم ہوئی اور وہ چلتے چلتے یک بند ہو گئی۔ بلکہ دراصل اس کام کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایک خاص فرشتہ مقرر کر رکھا ہے جو آکر باقاعدہ روح کو ٹھیک اسی طرح وصول کرتا ہے جس طرح ایک سرکاری امین (Official Receiver) کسی چیز کو اپنے قبضے میں لے لیتا ہے۔ قرآن کے دوسرے مقامات پر اس کی مزید تفصیلات

جو بیان کی گئی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس افسرموت کے ماتحت فرشتوں کا ایک پورا عملہ ہے جو موت وارد کرنے اور روح کو جسم سے نکالنے اور اس کو قبضے میں لینے کی بہت سی مختلف النوع خدمات انجام دیتا ہے۔ نیز یہ کہ اس عملے کا بر تاؤ مجرم روح کے ساتھ کچھ اور ہوتا ہے اور مومن صالح روح کے ساتھ کچھ اور۔

(ان تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو سورہ نساء، آیت ۷۹۔ الانعام، ۹۳۔ الخل، ۲۸۔ الواقعہ، ۸۳۔ ۹۳۔)

(2) اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ موت سے انسان معصوم نہیں ہو جاتا بلکہ اس کی روح جسم سے نکل کر باقی رہتی ہے۔ قرآن کے الفاظ "موت کا فرشتہ تم کو پورا کا پورا اپنے قبضے میں لے لیگا۔" اسی حقیقت پر دلالت کرتے ہیں کیونکہ کوئی معصوم چیز قبضے میں نہیں لی جاتی قبضے میں لینے کا تو مطلب ہی یہ ہے کہ مقبوضہ چیز قابض کے پاس رہے۔

(3) اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ موت کے وقت جو چیز قبضے میں لی جاتی ہے وہ آدمی کی حیوانی زندگی (Biological life) نہیں بلکہ اس کی وہ خودی، اس کی وہ آنا (Ego) ہے جو "میں" اور "ہم" اور "تم" کے الفاظ سے تعبیر کی جاتی ہے۔ یہ ان دنیا میں کام کر کے جیسی کچھ شخصیت بھی بنتی ہے وہ پوری جوں کی توں (Intact) نکال لی جاتی ہے بغیر اس کے کہ اس کے اوصاف میں کوئی کمی بیشی ہو۔ اور ہی چیز موت کے بعد اپنے رب کی طرف پلٹائی جاتی ہے۔ اسی کو آخرت میں نیا جنم اور نیا جسم دیا جائے گا اسی پر مقدمہ قائم کیا جائے گا، اسی سے حساب لیا جائے گا اور اسی کو جزا اور سزاد یکھنی ہو گی۔

وَلَوْ تَرَى إِذَا الْمُجْرِمُونَ نَاكِسُوا رُءُوسَهُمْ رَبَّنَا أَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجَعْنَا
نَعْمَلْ صَاحِحًا إِنَّا مُوقِنُونَ ﴿٢١﴾ وَلَوْ شِئْنَا لَا تَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدَاهَا وَلَكِنْ حَقَ القَوْلُ
إِنَّمَا نَسِينَكُمْ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ﴿٢٢﴾ فَذُوقُوا بِمَا نَسِيْتُمْ لِقَاءَ يَوْمَكُمْ
هَذَا إِنَّا نَسِينَكُمْ وَذُوقُوا عَذَابَ الْخَلْدِ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٢٣﴾ إِنَّمَا يُؤْمِنُ بِأَيْتَنَا
الَّذِينَ إِذَا ذُكِرُوا بِهَا خَرُّوا سُجَّداً وَسَبَّحُوا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا يَسْتَكِبِرُونَ ﴿٢٤﴾ تَتَجَافِي
جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَطَمَعاً وَمَمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ ﴿٢٥﴾ فَلَا
تَعْلَمُ نَفْسٌ مَا أَخْفَى لَهُمْ مِنْ قُرْةِ أَعْيُنٍ جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٢٦﴾ أَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا
كَمْ كَانَ فَاسِقاً لَا يَسْتَوْنَ ﴿٢٧﴾ أَمَّا الَّذِينَ أَمْنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَلَهُمْ جَنَّتُ
الْتَّأْوِي نُزُلًا بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٢٨﴾ وَأَمَّا الَّذِينَ فَسَقُوا فَمَا وُهُمُ النَّارُ كُلَّمَا آرَادُوا أَنْ
يَخْرُجُوا مِنْهَا أُعِيدُوا فِيهَا وَقِيلَ لَهُمْ ذُوقُوا عَذَابَ النَّارِ الَّذِي كُنْتُمْ بِهِ تُكَذِّبُونَ
وَلَنْذِيْقَنَهُمْ مِنَ الْعَذَابِ الْأَدْنِي دُونَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿٢٩﴾ وَمَنْ
أَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِرَ بِأَيْتِ رَبِّهِ ثُمَّ أَعْرَضَ عَنْهَا إِنَّمَا مِنَ الْمُجْرِمِينَ مُنْتَقِمُونَ ﴿٣٠﴾

دکو٤ ۲

22 کاش تم دیکھو وہ وقت جب یہ مجرم سر جھکائے اپنے رب کے حضور کھڑے ہوں گے (اُس وقت یہ کہہ رہے ہوں گے) ”اے ہمارے رب، ہم نے خوب دیکھ لیا اور سن لیا اب ہمیں واپس بھج دے تاکہ ہم نیک عمل کریں، ہمیں اب یقین آگیا ہے۔“ (جواب میں ارشاد ہو گا) ”اگر ہم چاہتے تو پہلے ہی ہر نفس کو اس کی ہدایت دے دیتے **23** مگر میری وہ بات پُوری ہو گئی جو میں نے کہی تھی کہ میں جہنم کو جنوں اور انسانوں سب سے بھر دوں گا **24** پس اب چکھو مزرا اپنی اس حرکت کا کہ تم نے اس دن کی ملاقات کو فراموش کر دیا **25**، ہم نے بھی اب تمہیں فراموش کر دیا ہے۔ چکھو ہمیشگی کے عذاب کا مزرا اپنے کرتوقوں کی پاداش میں ۔۔۔“

ہماری آیات پر تو وہ لوگ ایمان لاتے ہیں جنہیں یہ آیات سننا کر جب نصیحت کی جاتی ہے تو سجدے میں گر پڑتے ہیں اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرتے ہیں اور تکبیر نہیں کرتے **26** سجدہ۔ ان کی پیٹھیں بستروں سے الگ رہتی ہیں، اپنے رب کو خوف اور طمع کے ساتھ پکارتے ہیں **27**، اور جو کچھ رزق ہم نے انہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں **28**۔ پھر جیسا کچھ آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان ان کے اعمال کی جزا میں ان کے لیے چھپار کھا گیا ہے اس کی کسی متفسیس کو خبر نہیں ہے **29** بھلا کہیں یہ ہو سکتا ہے کہ جو شخص مومن ہو وہ اُس شخص کی طرح ہو جائے جو فاسق ہو؟ **30** یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے **31** جو لوگ ایمان لائے ہیں اور جنہوں نے نیک عمل کیے ہیں ان کے لیے تو جنتوں کی قیام گاہیں ہیں **32**، ضیافت کے طور پر ان کے اعمال کے بدالے میں۔ اور جنہوں نے فسق اختیار کیا ہے ان کا ٹھکانا دوزخ ہے۔ جب کبھی وہ

اس سے نکلا چاہیں گے اسی میں دھکیل دیے جائیں گے اور ان سے کہا جائے گا کہ چکھوab آگ کے عذاب کامرا جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے۔

اس بڑے عذاب سے پہلے ہم اسی دنیا میں (کسی نہ کسی چھوٹے) عذاب کامرا انھیں چکھاتے رہیں گے، شاید کہ یہ (اپنی باغیانہ روشن سے) باز آجائیں ³³ اور اس سے بڑا ظالم کون ہو گا جسے اس کے رب کی آیات کے ذریعہ سے نصیحت کی جائے اور پھر وہ ان سے منہ پھیر لے ³⁴ ایسے مجرموں سے تو ہم انتقام لے کر رہیں گے۔

سورة السجدة حاشیہ نمبر: 22 ▲

اب اس حالت کا نقشہ پیش کیا جاتا ہے جب اپنے رب کی طرف پلٹ کریے انسانی "آن" اپنا حساب دینے کے لئے اس کے حضور کھڑی ہوگی۔

سورة السجدة حاشیہ نمبر: 23 ▲

یعنی اس طرح حقیقت کا مشاہدہ اور تجربہ کر اکر ہی لوگوں کو ہدایت دینا ہمارے پیش نظر ہوتا تو دنیا کی زندگی میں اتنے بڑے امتحان سے گزار کر تم کو یہاں لانے کی کیا ضرورت تھی، ایسی ہدایت تو ہم پہلے ہی تم کو دے سکتے تھے لیکن تمہارے لیے تو آغاز ہی سے ہماری اسکیم یہ نہ تھی ہم تو حقیقت کو نگاہوں سے او جھل اور حواس سے مخفی رکھ کر تمہارا امتحان لینا چاہتے تھے کہ تم براہ راست اس کو بے نقاب دیکھنے کے بجائے کائنات میں اور خود اپنے نفس میں اس کی علامات دیکھ کر اپنی عقل سے اس کو پہچانتے ہو یا نہیں، ہم اپنے انبیاء اور اپنی کتابوں کے ذریعہ سے اس حقیقت شناسی میں تمہاری جو مدد کرتے ہیں اس سے فائدہ اٹھاتے ہو یا نہیں، اور حقیقت جان لینے کے بعد اپنے نفس پر اتنا قابو پاتے ہو یا نہیں کہ خواہشات اور اغراض کی بندگی سے آزاد ہو کر اس حقیقت کو مان جاؤ اور اس کے مطابق اپنا طرز عمل درست کرو۔ اس امتحان میں تم ناکام ہو چکے ہو۔ اب دوبارہ اسی امتحان کا سلسلہ شروع کرنے سے کیا حاصل ہو گا۔ دوسرا امتحان اگر اس طرح لیا جائے کہ تمہیں وہ سب کچھ یاد ہو جو تم نے یہاں دیکھ اور سن لیا ہے تو یہ سرے سے کوئی امتحان ہی نہ ہو گا۔ اگر پہلے کی طرح تمہیں خالی الذہن کر کے اور حقیقت کو نگاہوں سے او جھل رکھ کر تمہیں پھر دنیا میں پیدا کر دیا جائے اور نئے سرے سے تمہارا اسی طرح امتحان لیا جائے جیسے پہلے لیا گیا تھا، تو نتیجہ پچھلے امتحان سے کچھ بھی مختلف نہ ہو گا۔ (مزید تشریح کے لیے ملاحظہ ہو تفہیم القرآن جلد اول، صفحات ۱۶۰-۱۶۱)

سورة السجدة حاشیہ نمبر: 24 ▲

اشارہ ہے اس قول کی طرف جو اللہ تعالیٰ نے تخلیق آدم علیہ السلام کے وقت اپلیس کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا تھا۔ سورہ ص کے آخری رکوع میں اس وقت کا پورا قصہ بیان کیا گیا ہے۔ اپلیس نے آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کیا اور نسل آدم کو بہکانے کے لیے قیامت تک کی مہلت مانگی۔ جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿قَالَ فَالْحَقُّ وَالْحَقُّ أَقُولُ﴾ ۸۳ لَامْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ أَجْمَعِينَ ۸۴ "پس حق یہ ہے اور میں حق ہی کہا کرتا ہوں کہ میں جہنم کو بھر دوں گا تجھ سے اور ان لوگوں سے جو انسانوں میں سے تیری پیروی کریں گے۔

آجْمَعِينَ کا لفظ یہاں اس معنی میں استعمال نہیں کیا گیا ہے کہ تمام جن اور تمام انسان جہنم میں ڈال دیے جائیں گے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے شیاطین اور ان شیاطین کے پیرو انسان سب ایک ساتھ ہی وصل جہنم ہوں گے۔

سورة السجدة حاشیہ نمبر: 25 ▲

یعنی دنیا کے عیش میں گم ہو کر تم نے اس بات کو بالکل بھلا دیا کہ کبھی اپنے رب کے سامنے بھی جانا ہے۔

سورة السجدة حاشیہ نمبر: 26 ▲

بالفاظ دیگروہ اپنے غلط خیالات کو چھوڑ کر اللہ کی بندگی اختیار کر کے اس کی عبادت کو چھوڑ کر اللہ کی بات مان لینے اور اللہ کی بندگی اختیار کر کے اس کی عبادت بجالانے اپنی شان سے گری ہوئی بات نہیں سمجھتے نفس کی کبریائی انہیں قبول حق اور اطاعت رب سے مانع نہیں ہوتی۔

سورة السجدة حاشیہ نمبر: 27 ▲

یعنی راتوں کو داد عیش دیتے پھرنے کے بجائے وہ اپنے رب کی عبادت کرتے ہیں۔ ان کا حال ان دنیا پرستوں کا سا نہیں ہے جنہیں دن کی مختنوں کی کلفت دور کرنے کے لیے راتوں کو ناج گانے اور شراب نوشی اور کھلیل تماشوں کی تفریحات درکار ہوتی ہیں۔ اس کے بجائے ان کا حال یہ ہوتا ہے کہ دن بھر اپنے فرائض انعام دے کر جب وہ فارغ ہوتے ہیں تو اپنے رب کے حضور کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اس کی یاد میں راتیں گزارتے ہیں۔ اس کے خوف سے کانپتے ہیں اور اسی سے اپنی ساری امیدیں وابستہ کرتے ہیں۔
بسترتوں سے پیٹھیں الگ رہنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ راتوں کو سوتے ہی نہیں ہیں، بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ راتوں کا ایک حصہ خدا کی عبادت میں صرف کرتے ہیں۔

سورة السجدة حاشیہ نمبر: 28 ▲

رزق سے مراد ہے رزق حلال۔ مال حرام کو اللہ تعالیٰ اپنے دیے ہوئے رزق سے تعبیر نہیں فرماتا۔ لہذا اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ جو تھوڑا بہت پاک رزق ہم نے انہیں دیا ہے اسی میں سے خرچ کرتے ہیں۔ اس سے تجاوز کر کے اپنے اخراجات پورے کرنے کے لیے حرام مال پر ہاتھ نہیں مارتے۔

سورة السجدة حاشیہ نمبر: 29 ▲

بخاری، مسلم، ترمذی اور مسند احمد میں متعدد طریقوں سے حضرت ابو ہریرہ کی یہ روایت نقل کی گئی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: **قالَ اللَّهُ تَعَالَى أَعْدَدْتُ لِعِبَادِي الصَّالِحِينَ مَا لَا عَيْنٌ رَأَتُ وَلَا أُذْنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلَى قَلْبِ بَشَرٍ**۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے وہ کچھ فراہم کر رکھا ہے جسے نہ کبھی کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کبھی کسی کان نے سنا، نہ کوئی انسان کبھی اس کا تصور کر سکا ہے"۔ یہی مضمون تھوڑے سے لفظی فرق کے ساتھ حضرت ابو سعید خدریؓ، حضرت مغیرہ بن شعبہ اور حضرت سہل بن سعد

ساعِدیؓ نے بھی حضور ﷺ سے روایت کیا ہے جسے مسلم، احمد، ابن حبیر اور ترمذی نے صحیح سندوں کے ساتھ نقل کیا ہے۔

▲ سورۃ السجدة حاشیہ نمبر: 30

یہاں مومن اور فاسق کی دو مقابلے اصطلاح میں استعمال کی گئی ہیں۔ مومن سے مراد وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کو اپنارب واحد مان کر اس قانون کی اطاعت اختیار کر لے جو اللہ نے اپنے پیغمبروں کے ذریعہ سے بھیجا ہے۔ اس کے بر عکس فاسق وہ ہے جو فسق (خروج از طاعت، یا با الفاظ دیگر بغاوت، خود مختاری اور اطاعت غیر اللہ) کا رویہ اختیار کرے۔

▲ سورۃ السجدة حاشیہ نمبر: 31

یعنی نہ دنیا میں ان کا طرز فکر و طرز حیات یکساں ہو سکتا ہے اور نہ آخرت میں ان کے ساتھ خدا کا معاملہ یکساں ہو سکتا ہے۔

▲ سورۃ السجدة حاشیہ نمبر: 32

یعنی وہ جنتیں ان کی سیر گاہیں نہیں ہوں گی بلکہ وہی ان کی قیام گاہیں بھی ہوں گی جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے

▲ سورۃ السجدة حاشیہ نمبر: 33

"عذاب اکبر" سے مراد آخرت کا عذاب ہے جو کفر و فسق کی پاداش میں دیا جائے گا۔ اس کے مقابلہ میں "عذاب ادنی" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس سے مراد وہ تکلیفیں ہیں جو اسی دنیا میں انسان کو پہنچتی ہیں۔ مثلاً افراد کی زندگی میں سخت بیماریاں، اپنے عزیز ترین لوگوں کی موت، المناک حادثے، نقصانات، ناکامیاں وغیرہ۔ اور اجتماعی زندگی میں طوفان، زلزلے، سیلاب، وباں، قحط، فسادات، لڑائیاں اور دوسری بہت سی بلاں جو ہزاروں، لاکھوں، کروڑوں انسانوں کو اپنی لپیٹ میں لیتی ہیں۔ ان آفات کے نازل کرنے کی

مصلحت یہ بیان کی گئی ہے کہ عذاب اکبر میں بتلا ہونے سے پہلے ہی لوگ ہوش میں آجائیں اور اس طرز فکر و عمل کو چھوڑ دیں جس کی پاداش میں آخر کار انہیں وہ بڑا عذاب بھگتنا پڑے گا۔ دوسرے الفاظ میں اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو بالکل بخیریت ہی نہیں رکھا ہے کہ پورے آرام و سکون سے زندگی کی گاڑی چلتی رہے اور آدمی اس غلط فہمی میں بتلا ہو جائے کہ اس سے بالا کوئی طاقت نہیں ہے جو اس کا کچھ بگاڑ سکتی ہو۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے ایسا انتظام کر رکھا ہے کہ وقتاً فوتاً افراد پر بھی اور قوموں اور ملکوں پر بھی ایسی آفات بھیجا رہتا ہے جو اسے اپنی بے بسی کا اور اپنے سے بالاتر ایک ہمہ گیر سلطنت کی فرمانروائی کا احساس دلاتی ہیں۔ یہ آفات ایک ایک شخص کو، ایک ایک گروہ کو اور ایک ایک قوم کو یہ یاد دلاتی ہیں کہ اوپر تمہاری قسمتوں کو کوئی اور کنٹرول کر رہا ہے۔ سب کچھ تمہارے ہاتھ میں نہیں دے دیا گیا ہے۔ اصل طاقت اسی کا فرم اقتدار کے ہاتھ میں ہے۔ اس کی طرف سے جب کوئی آفت تمہارے اوپر آئے تو نہ تمہاری کوئی تدبیر اسے دفع کر سکتی ہے، اور نہ کسی جن، یاروں، یادیوی اور دیوتا، یا نبی اور ولی سے مدد مانگ کر تم اس کو روک سکتے ہو۔ اس لحاظ سے یہ آفات محض آفات نہیں ہیں بلکہ خدا کی تنبیہات ہیں جو انسان کو حقیقت سے آگاہ کرنے اور اس کی غلط فہمیاں رفع کرنے کے لیے بھیجی جاتی ہیں۔ ان سے سبق لے کر دنیا ہی میں آدمی اپنا عقیدہ اور عمل ٹھیک کر لے تو آخرت میں خدا کا بڑا عذاب دیکھنے کی نوبت ہی کیوں آئے۔

سورة السجدة حاشیہ نمبر: 34 ▲

"رب کی آیات" یعنی اس کی نشانیوں کے الفاظ بہت جامع ہیں جن کے اندر تمام اقسام کی نشانیاں آجاتی ہیں۔ قرآن مجید کے جملہ بیانات کو نگاہ میں رکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ نشانیاں حسب ذیل چھ قسموں پر مشتمل ہیں:

(1)۔ وہ نشانیاں جو زمین سے لے کر آسمان تک ہر چیز میں اور کائنات کے مجموعی نظام میں پائی جاتی ہیں۔

- (2) وہ نشانیاں جو انسان کی اپنی پیدائش اور اس کی ساخت اور اس کے وجود میں پائی جاتی ہے۔
- (3) وہ نشانیاں جو انسان کے وجود ان میں، اسکے لاشعور میں، اور اس کے اخلاقی تصورات میں پائی جاتی ہیں۔
- (4) وہ نشانیاں جو انسانی تاریخ کے مسلسل تجربات میں پائی جاتی ہیں۔
- (5) وہ نشانیاں جو انسان پر آفات ارضی و سماوی کے نزول میں پائی جاتی ہیں۔
- (6) اور ان سب کے بعد وہ آیات جو اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء کے ذریعہ سے بھیجیں تاکہ معقول طریقے سے انسان کو انہی حقائق سے آگاہ کیا جائے جن کی طرف اوپر کی تمام نشانیاں اشارہ کر رہی ہیں۔
- یہ ساری نشانیاں پوری ہم آہنگی اور بلند آہنگی کے ساتھ انسان کو یہ بتا رہی ہیں کہ تو بے خدا نہیں ہے، نہ بہت سے خداوں کا بندہ ہے، بلکہ تیرا خدا صرف ایک ہی ہے جس کی عبادت و اطاعت کے سواترے لیے کوئی دوسرے راستہ صحیح نہیں ہے۔ تو اس دنیا میں آزاد و خود مختار اور غیر ذمہ دار بننا کرنے کا نہیں چھوڑ دیا گیا ہے بلکہ تجھے اپنا کارنامہ حیات ختم کرنے کے بعد اپنے خدا کے سامنے حاضر ہو کر جواب دہی کرنی ہے اور اپنے عمل کے لحاظ سے جزا اور سزا پانی ہے۔ پس تیری اپنی خیر اسی میں ہے کہ تیرے خدا نے تیری رہنمائی کے لیے اپنے انبیاء اور اپنی کتابوں کے ذریعہ سے جو ہدایت بھیجی ہے اس کی پیروی کر اور خود مختاری کی روشن سے باز آ جا۔
- اب یہ ظاہر ہے کہ جس انسان کو اتنے مختلف طریقوں سے سمجھایا گیا ہو، جس کی فہمائش کے لیے طرح طرح کی اتنی بے شمار نشانیاں فراہم کی گئی ہوں، اور جسے دیکھنے کے لیے آنکھیں سننے کے لیے کان، اور سوچنے سمجھنے کے لیے دل کی نعمتیں بھی دی گئی ہوں، وہ اگر ان ساری نشانیوں کی طرف سے آنکھیں بند کر لیتا ہے، سمجھانے والوں کی تذکیر و نصیحت کے لیے بھی اپنے کان بند کر لیتا ہے، اور اپنے دل و دماغ سے بھی اوندھے فلسفے ہی گھٹرنے کا کام لیتا ہے، اس سے بڑا ظالم کوئی نہیں ہو سکتا۔ وہ پھر اسی کا مستحق ہے کہ دنیا میں اپنے امتحان کی مدت ختم کرنے کے بعد جب وہ اپنے خدا کے سامنے حاضر ہو تو بغاوت کی بھرپور سزا پائے۔

وَلَقَدْ أَتَيْنَا مُوسَى الْكِتَبَ فَلَا تَكُنْ فِي مُرْيَةٍ مِّنْ لِقَاءِهِ وَجَعَلْنَاهُ هُدًى لِّبَنِي إِسْرَائِيلَ
 وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ آئِشَةً يَهُدُونَ بِاْمِرِنَا لَمَا صَبَرُوا ۖ وَكَانُوا بِاِيمَانِنَا يُوقَنُونَ ۚ إِنَّ
 رَبَّكَ هُوَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ۚ أَوْ لَمْ يَهُدِ لَهُمْ كُمْ
 أَهْلَكُنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْقُرُونِ يَمْشُونَ فِي مَسْكِنِهِمْ ۖ أَنَّ فِي ذَلِكَ لَا يَرِي
 أَوْ لَمْ يَرِوْا أَنَّا نَسُوقُ الْمَاءَ إِلَى الْأَرْضِ الْجُرُزِ فَنُخْرِجُهُ بِهِ زَرْعًا تَأْكُلُ مِنْهُ أَنْعَامُهُمْ وَ
 أَنْفُسُهُمْ ۖ أَفَلَا يُبَصِّرُونَ ۚ وَيَقُولُونَ مَتَى هَذَا الْفَتْحُ إِنْ كُنْتُمْ صَدِيقِينَ ۚ قُلْ يَوْمَ
 الْفَتْحِ لَا يَنْفَعُ الَّذِينَ كَفَرُوا إِيمَانُهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ ۚ فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَانْتَظِرْ إِنَّهُمْ
 مُّنْتَظِرُونَ ۚ

دکوع ۳

اس سے پہلے ہم موسیٰ کو کتاب دے چکے ہیں، لہذا اُسی چیز کے ملنے پر تمہیں کوئی شک نہ ہونا چاہیے 35 کتاب کو ہم نے بنی اسرائیل کے لیے ہدایت بنایا تھا 36، اور جب انہوں نے صبر کیا اور ہماری آیات پر یقین لاتے رہے تو ان کے اندر ہم نے ایسے پیشو اپیدا کیے جو ہمارے حکم سے رہنمائی کرتے تھے 37 یقیناً تیرا رب ہی قیامت کے روز ان باتوں کا فیصلہ کرے گا جن میں (بنی اسرائیل) باہم اختلاف کرتے رہے ہیں 38

اور کیا ان لوگوں کو (ان تاریخی واقعات میں) کوئی ہدایت نہیں ملی کہ ان سے پہلے کتنی قوموں کو ہم ہلاک کر چکے ہیں جن کے رہنے کی جگہوں میں آج یہ چلتے پھرتے ہیں؟ 39 اس میں بڑی نشانیاں ہیں، کیا یہ سُنتے نہیں ہیں؟ اور کیا ان لوگوں نے یہ منظر کبھی نہیں دیکھا کہ ہم ایک بے آب گیاہ زمین کی طرف پانی بہا لاتے ہیں، پھر اسی زمین سے وہ فصل اُگاتے ہیں جس سے ان کے جانوروں کو بھی چارہ ملتا ہے اور یہ خود بھی کھاتے ہیں؟ تو کیا انہیں کچھ نہیں سو جھتا؟ 40 یہ لوگ کہتے ہیں کہ ”یہ فیصلہ کب ہو گا اگر تم سچے ہو؟“ 41 ان سے کہو ”فیصلے کے دن ایمان لانا ان لوگوں کے لیے کچھ بھی نافع نہ ہو گا جنہوں نے کفر کیا ہے اور پھر ان کو کوئی مهلت نہ ملے گی 42“ اچھا انہیں ان کے حال پر چھوڑ دو اور انتظار کرو، یہ بھی منتظر ہیں۔ ۴۳

سورة السجدة حاشیہ نمبر: 35 ▲

خطاب بظاہر نبی ﷺ سے ہے، مگر دراصل مخاطب وہ لوگ ہیں جو حضور ﷺ کی رسالت میں، اور آپ ﷺ کے اوپر کتاب ﷺ کے نازل ہونے میں شک کر رہے تھے۔ یہاں سے کلام کارخ اسی مضمون کی طرف پھر رہا ہے جو آغاز سورہ (آیات نمبر ۲ اور ۳) میں بیان ہوا تھا۔ کفار مکہ کہہ رہے تھے کہ محمد ﷺ پر خدا کی طرف سے کوئی کتاب نہیں آئی ہے انہوں نے اسے خود گھٹر لیا ہے اور دعویٰ یہ کہ رہے ہیں کہ خدا نے اسے نازل کیا ہے۔ اس کا ایک جواب ابتدائی آیات میں دیا گیا تھا۔ اب اس کا دوسرا جواب دیا جا رہا ہے۔ اس سلسلے میں پہلی بات جو فرمائی گئی ہے وہ یہ ہے کہ اے نبی ﷺ! یہ نادان لوگ تم پر کتاب ﷺ کے نازل ہونے کو اپنے نزدیک بعید از امکان سمجھ رہے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ہر دوسرا شخص بھی اگر اس کا انکار نہ کرے تو کم از کم اس کے متعلق شک ہی میں پڑ جائے۔ لیکن ایک بندے پر خدا کی طرف سے کتاب نازل ہونا ایک نرالا واقعہ تو نہیں ہے جو انسانی تاریخ میں آج پہلی مرتبہ ہی پیش آیا ہو۔ اس سے پہلے متعدد انبیاء پر کتابیں نازل ہو چکی ہیں جن میں سے مشہور ترین کتاب وہ ہے جو حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کو دی گئی تھی۔ لہذا اسی نوعیت کی ایک چیز آج تمہیں دی گئی ہے تو آج آخر اس میں انوکھی بات کیا ہے جس پر خواہ مخواہ شک کیا جائے۔

سورة السجدة حاشیہ نمبر: 36 ▲

یعنی وہ کتاب بنی اسرائیل کے لئے رہنمائی کا ذریعہ بنائی گئی تھی اور یہ کتاب اسی طرح تم لوگوں کی رہنمائی کے لئے بھیجی گئی ہے جیسا کہ آیت نمبر ۳ میں پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔ اس ارشاد کی پوری معنویت اس کے تاریخی پس منظر کو نگاہ میں رکھنے سے ہی سمجھ میں آسکتی ہے۔ یہ بات تاریخ سے ثابت ہے اور کفار مکہ بھی اس سے ناواقف نہ تھے بنی اسرائیل کئی صدی تک مصر میں انتہائی ذلت و نکبت کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ اس حالت میں اللہ تعالیٰ نے ان کے درمیان موسیٰ (علیہ السلام) کو پیدا کیا ان کے ذریعہ سے اس قوم کو

غلامی کی حالت سے نکلا پھر ان پر کتاب نازل کی اور اس کے فیض سے وہی دبی اور پھی ہوئی قوم ہدایت پا کر دنیا میں ایک نامور قوم بن گئی۔ اس تاریخ کی طرف اشارہ کر کے اہل عرب سے فرمایا جا رہا ہے کہ جس طرح بنی اسرائیل کی ہدایت کے لئے وہ کتاب بھیجی گئی تھی، اسی طرح تمہاری ہدایت کے لئے یہ کتاب بھیجی گئی ہے۔

سورة السجدة حاشیہ نمبر: 37 ▲

یعنی بنی اسرائیل کو اس کتاب نے جو کچھ بنایا اور جن مدارج پر ان کو پہنچایا وہ محسن ان کے درمیان کتاب کے آجائے کا کرشمہ نہ تھا گویا یہ کوئی تعویذ ہو جو باندھ کر اس قوم کے گلے میں لٹکا دیا گیا ہو اور اس کے لکھتے ہی قوم نے با م عروج پر چڑھنا شروع کر دیا ہو بلکہ یہ ساری کرامت اس یقین کی تھی جو وہ اللہ کی آیات پر لائے اور اس صبر اور ثابت قدمی کی تھی جو انہوں نے احکام الہی کی پیروی میں دکھائی۔ خود بنی اسرائیل کے اندر بھی پیشوائی انہی کو نصیب ہوئی جو ان میں سے کتاب اللہ کے سچے مومن تھے اور دنیوی فائدوں اور لذتوں کی طمع میں پھسل جانے والے نہ تھے۔ انہوں نے جب حق پرستی میں ہر خطرے کا ڈٹ کر مقابلہ کیا ہر نقصان اور ہر تکلیف کو برداشت کیا اور اپنے نفس کی شہوات سے لے کر باہر کے اعداء دین تک ہر ایک کے خلاف مجاہدہ کا حق ادا کر دیا تھا وہ دنیا کے امام بنے اس سے مقصود کفار عرب کو متنبہ کرنا ہے کہ جس طرح خدا کی کتاب کے نزول نے بنی اسرائیل کے اندر قسمتوں کے فیصلے کیے تھے اسی طرح اب اس کتاب کا نزول تمہارے درمیان بھی قسمتوں کا فیصلہ کر دے گا۔ اب وہی لوگ امام بنیں گے جو اس کو مان کر صبر و ثبات کے ساتھ حق کی پیروی کریں گے اس سے منہ موڑنے والوں کی تقدیر گردش میں آچکی ہے۔

سورة السجدة حاشیہ نمبر: 38 ▲

یہ اشارہ ہے ان اختلافات اور فرقہ بندیوں کی طرف جن کے اندر بنی اسرائیل ایمان و یقین کی دولت سے محروم ہونے اور اپنے راست روائیہ کی پیروی چھوڑ دینے اور دنیا پرستی میں پڑ جانے کے بعد مبتلا ہوئے۔

اس حالت کا ایک نتیجہ تو ظاہر ہے جسے ساری دنیا دیکھ رہی ہے کہ بنی اسرائیل ذلت و فکرت میں گرفتار ہیں۔
دوسرا وہ ہے جو دنیا نہیں جانتی اور وہ قیامت کے روز ظاہر ہو گا۔

سورة السجدة حاشیہ نمبر: 39 ▲

یعنی کیا تاریخ کے اس مسلسل تجربے سے ان لوگوں نے کوئی سبق نہیں لیا کہ جس قوم میں بھی خدا کا رسول آیا ہے اس کی قسمت کا فیصلہ اس رویے کے ساتھ معلق ہو گیا ہے جو اپنے رسول کے معاملہ میں اس نے اختیار کیا۔ رسول کو جھٹلا دینے کے بعد پھر کوئی قوم نئے نہیں سکی ہے۔ اس میں سے بچے ہیں تو صرف وہی لوگ جو اس پر ایمان لائے۔ انکار کر دینے والے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے سامان عبرت بن کر رہ گئے۔

سورة السجدة حاشیہ نمبر: 40 ▲

سیاق و سباق کو زگاہ میں رکھنے سے صاف محسوس ہوتا ہے کہ یہاں یہ ذکر حیات بعد الموت پر استدلال کرنے کے لیے نہیں کیا گیا ہے، جیسا کہ قرآن میں بالعموم ہوتا ہے، بلکہ اس سلسلہ کلام میں یہ بات ایک اور، ہی مقصد کے لیے فرمائی گئی ہے۔ اس میں دراصل ایک لطیف اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ جس طرح ایک بخبر پڑی ہوئی زمین کو دیکھ کر آدمی یہ گمان نہیں کر سکتا کہ یہ بھی کبھی لہلہتی کشتِ زار بن جائے گی، مگر خدا کی بھی ہوئی برسات کا ایک ہی ریلا اس کارنگ بدل دیتا ہے، اسی طرح یہ دعوت اسلام بھی اس وقت تم کو ایک نہ چلنے والی چیز نظر آتی ہے، لیکن خدا کی قدرت کا ایک ہی کرشمہ اس کو وہ فروغ دے گا کہ تم دنگ رہ جاؤ گے۔

سورة السجدة حاشیہ نمبر: 41 ▲

یعنی تم جو کہتے ہو کہ آخر کار اللہ کی مدد آئے گی اور ہمیں جھٹلانے والوں پر اس کا غضب ٹوٹ پڑے گا، تو بتاؤ وہ وقت کب آئے گا؟ کب ہمارا تمہارا فیصلہ ہو گا؟

سورة السجدة حاشیہ نمبر: 42 ▲

یعنی یہ کوئی ایسی چیز ہے جس کے لیے تم بے چین ہوتے ہو۔ خدا کا عذاب آگیا تو پھر سنبھلنے کا موقع تم کو نصیب نہ ہو گا۔ اس مہلت کو غنیمت جانو جو عذاب آنے سے پہلے تم کو ملی ہوئی ہے۔ عذاب سامنے دیکھ کر ایمان لاوے گے تو کچھ حاصل نہ ہو گا۔

QuranUrdu.com